اگر خدا رحم کرنے والا ہے، تو دنیا میں اتنا ظلم و ستم کیوں؟

جمع و ترتیب و افادات: محمد شاہ رخ خان

(ملحدین کے بنیادی اعتراض کا جواب، قرآن و حدیث اور عقل کی روشنی میں)

اگر خدا رحم کرنے والا ہے تو دنیا میں ظلم و ستم کیوں[1]؟

جناب حمزہ (Hamza Tzortzist) اپنی کتاب فرماتے ہیں:

" جب میں بچہ تھا، میرے والدین مجھے وِسکی (شراب کی ایک قسم) پینے کی کوشش کرنے پر ہمیشہ ڈانٹتے تھے، آپ تصور کرسکتے ہیں کہ ایک پھرتیلہ اور تجسس پسند جوان بچہ اپنے دادا کو ایک گاڑھا، تیز اور گولڈن پانی پیتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔ تو وہ مجھے بھی چاہئے تھا ، لیکن جب بھی میں اس پر کشش مشروب کو چپکے سے پینے کی کوشش کرتا تو کسی نہ کسی مصیبت میں پھنس جاتا تھا۔ میں کبھی نہیں سمجھ سکا کیوں، لیکن نتیجۃ میں ذھن میں اپنے والدین کے بارے میں منفی تاثرات دوڑانے لگا ، اتنے سالوں بعد مجھے آج یہ احساس ہوا ہے کہ کیوں میرے والدین نے اپنے دادا کی شراپ مجھے نہیں پینے دی، کیونکہ وہ میرے لئے زہر ثابت ہوسکتی تھی۔

چالیس فیصد شراب کی آمیزش والا مشروب میرے جوان پیٹ اور جگر کے لیئے موزوں نہیں تھا۔ تاہم جب میں جوان تھا تو میری رسائی اس حکمت تک نہیں تھی جس نے میرے والدین کے اس شراب نہ پینے کے فیصلے کی بنیاد رکھی تھی، اس لیئے ابھی تک میں یہ سوچتا تھا کہ میں اپنے والدین کے بارے میں منفی تاثرات رکھنے میں حق بجانب تھا۔

یہ واقعہ دہریوں کے خدا کی جانب رویئے کا خلاصۃ کرتا ہے، جب وہ اس دنیا میں ہونے والی برائیوں اور مصائب کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اوپر کا واقعہ دنیا میں ہونے والی مشکلات اور درد جس سے لوگ گذرتے ہیں، کی سنگینی کو کم کرنے کے لیئے نہیں ہے، کیونکہ بطورِ انسان ہمیں ہمدردی کا احساس رہنا چاہیئے اور لوگوں کی مشکلات کم کرنے کے راستے تلاش کرنے چاہیئے۔ تاہم اوپر کا واقعہ ایک نظریاتی نکتے کو اٹھانے کے لیئے پیش کیا گیا ہے۔"

انسانوں اور دوسری جاندار چیزوں کے ساتھ ایک صحیح اور حقیقی توجہ کی بنا پر بہت سے دہریئے یہ بحث کرتے ہیں کہ ایک رحیم اور مہربان خدا کا وجود دنیا میں ہونے برائیوں اور مشکلات کے ساتھ میل نہیں کھاتا۔ اگر وہ خدا مہربان ہے تو اس کی یہ چاہت ضرور ہونی چاہئے کہ دنیا میں ہونے والی برائیا رک جائے اور اگر

1

وہ ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے تو اس کو یہ سب روکنا چاہیے۔ تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں برائیاں بھی ہے اور مصائب بھی اسکا مطلب یا تو خدا طاقت نہیں رکھتا یا پھر وہ مہربان نہیں ہے یا دونوں ہی نہیں ہے۔

برائیوں اور مصائب کو دلیل بنا کر خدا کے وجود کا انکار کرنے والی بات بہت ہی کمزور ہے کیونکہ اسکی بنیاد دو غلط گمانوں پر ہے۔ پہلا گمان خدا کے مزاج کے متعلق ہے جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خدا صرف مہربان اور قدرت والا ہی ہے، اس وجہ سے وہ خدا کو محدود کردیتے ہیں صرف دو صفات میں اور باقی صفات جنکا قرآن نے ذکر کیا ہے، انکو نظر انداز کردیتے ہیں۔ اور دوسرا گمان یہ ہے کہ خدا نے ہمیں کوئی وجہ نہیں بتائی کہ کیوں اس نے دنیا میں برائی اور مصیبتوں کے وجود کی اجازت دی ہے۔ جو کہ سچ نہیں ہے کیونکہ اسلامی وحی نے ہمیں بہت سی وجوہات بتائی ہے کہ کیوں خدا نے دنیا میں برائی اور مصیبتوں کے وجود کی اجازت دی۔ ان دونوں گمانوں پر تفصیل سے بات کی جائے گی۔

کیا خدا صرف مہربان اور قدرت والا ہے؟

قرآن کے مطابق خدا القدیر ہے یعنی تمام قدرت رکھنے والا، اور الرحمن ہے یعنی مہربان ہے، یہی نام خدا شفقت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ اسلام اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ لوگ ایک قدرت والے، مہربان اور اچھائی والے خدا پر ایمان رکھے۔ تاہم دھریئے اسلام کے پیش کردہ خدا کے جامع تصور کی واضح طور پر تحریف کرتے ہیں۔ خدا صرف مہربان اور قدرت والا نہیں بلکہ اسکے بہت سے نام اور صفات ہیں۔ مثال کے طور پر اسکا ایک نام الحکیم ہے جسکا مطلب ہے حکمت والا ۔ لہذا جب خدا حکمت والا ہے تو ہر وہ کام جو وہ کرتا ہے اسکا تعلق ربانی حکمت کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب کسی کام کو بنیادی حکمت کے تحت سمجھایا جاتا ہے تو اس کام کے پیچھے ہونے والی وجہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ دھریوں نے خدا کو محدود کردیا دو صفات میں اور ایسا کرنے سے وہ ایسی چیز کا رد کرنے لگے جو ہمارا نظریہ ہی نہیں، نتیجۃ وہ اس بات کو بنیاد بنا کر بناکر لمبی لمبی باتیں کرنے لگے۔

الوم شاہا جس نے کتاب دی ینگ ایتھیسٹس ہینڈ بک[2] لکھی ہے، اس دعوے کو کہ حکمت ِ الہیہ کا تصور دنیا میں ہونے والی برائیوں اور مصیبتوں کی وجہ سمجھادیتا ہے، کو ایک سوال سے بچنے کا ایک چالاکی پر مبنی بہانہ قرار دے کر لکھتا ہے کہ:

"کہ برائی کے وجود کا مسئلہ خدا پر ایمان لانے والے سادہ لوح لوگوں کو ہلا کر رکھ دیتا ہے، میرے تجربے کے مطابق، عام طور پر خدا پر ایمان رکھنے والے لوگ اسکا جواب اس جملے کے ساتھ دیتے ہیں کہ: خدا ایک پر اسرار طریقے سے کام کرتا ہے، کبھی وہ کہتے ہیں کہ: مصیبتوں سے گذرنا دراصل خدا کا ہماری آزمائش کا ایک طریقہ ہے، تو اسکا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ: خدا ہمیں ان برے طریقوں سے آزمانا کیوں چاہتا ہے؟۔ تو اسکا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ: خدا ایک پراسرار طریقے سے کام کرتا ہے،،، آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا (ان لوگوں کے جوابات کا)۔"

دراصل الوم نے بھی دوسرے دھریوں کی طرح لا علمی کی بنیاد پر بحث کرنے کی غلطی کا ارتکاب کیا ہے، کیونکہ صرف اس وجہ سے کہ اسکی رسائی حکمت ِ الہیہ تک نہیں ہے اسکا مطلب یہ نہیں کہ حکمت کا وجود ہی نہیں۔ اسکی مثال اس بچے کی طرح ہے جسکو اسکے والدین کسی کام سے منع کرتے ہیں مثلا بہت زیادہ چاکلیٹس اور ٹافیاں کھانے سے اور بچہ عام طور پر یا تو روتا ہے یا اپنے والدین پر غصہ کرتا ہے کہ وہ کتنے برے ہے کیونکہ اسکو اپنے والدین کے انکار کے پیچھے اس پوشیدہ حکمت کا علم نہیں ہوتا جیسے اس مثال میں اگر وہ زیادہ چاکلییٹس اور ٹافیاں کھائے گا تو اسکے دانت خراب ہونگے۔ مزید یہ کہ یہ بحث خدا کی تعریف (ڈیفینیشن) اور مزاج کو بھی غلط سمجھا رہی ہے جبکہ خدا ایک عقل سے ماوراء، حکمت والی اور سب کچھ جاننے والی ذات ہے جسکہ لازمی نتیجہ یہ ہے کہ محدود انسانی عقل خدا کی ربانی چاہت اور ارادوں کو مکمل طور پر نہیں سمجھ سکتی۔ یہ سوچنا بھی کہ ہم خدا کی حکمت کی مکمل قدر بھی جان سکتے ہیں یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوگا کہ ہم خدا کی طرح ہے، جو اس بات کا انکار ہوگا کہ خدا ایک ماوراء عقل ذات ہے یا اس بات کا اشارہ ہوگا کہ خدا بھی انسان کی طرح محدود ہے۔

[2] Alom Shaha, The Young Atheist's Handbook, pg: 51

ملحدین کی اس دلیل کا ایمان والوں سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ کوئی مسلمان بھی ایک تخلیق شدہ اور محدود خدا میں ایمان نہیں رکھتا۔ یہ کوئی عقل مندانہ جواب نہیں ہوا، ہماری اس حکمت ِ الہیہ والی بات کا کیونکہ ہم کسی پر اسرار ذات کی بات نہیں کر رہے، بلکہ ہماری حکمت ِ الہیہ والی بات حقیقی طور پر خدا کے مزاج کو سمجھاتی ہے اور معقول نتائج کو سامنے لاتی ہے۔ اسکو یوں سمجھئے کہ : خدا کہ پاس تصویر ہے اور ہمارے پاس اس تصویر کا ایک نکتہ۔

God has the picture, and we have just a pixel.

دنیا میں برائی اور مصیبتوں کے وجود پر بحث کا مسئلہ ملحدین کی انا پرستی اور تعصب کی نقاب کشائی کرتا ہے جس میں انسان کسی مسئلے کو اپنے نظریئے کے علاوہ نہیں دیکھتا، اکثر ملحدین اسی تعصب کا شکار ہیں۔ چنانچہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر انکو برائی اور مصیبتوں کے وجود کی کوئی اچھی وجہ نہیں مل رہی تو سب کے ساتھ خدا سمیت یہی مسئلہ ہے۔ لہذا انھوں نے خدا کا ہی انکار کردیا، وہ سمجھتے ہیں کہ خدا کی طرف سے اس برائی اور مصائب کے وجود کی اجازت کا کوئی جواز یا معقول وجہ پیش نہیں کی جاسکتی ۔ لہذا جب خدا ان چیزوں کا کوئی جواز نہیں دے سکتا تو خدا کا قدرت والا اور مہربان ہونا بھی ایک دھوکا ہے۔ لہذا خدا کا روایتی تصور کالعدم ہے۔

دراصل ملحدین چاہتے ہیں کہ خدا کو بھی اسی طرح سوچنا چاہیے جس طرح وہ سوچتے ہیں ، لیکن یہ نا ممکن ہے کیونکہ خدا اور انسان کا کوئی مقابلہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ خدا ماوراء عقل ذات ہے اور مکلمل علم اور حکمت رکھتا ہے۔

لہذا خدا کو صرف دو صفات میں محدود کر کے یہ اعتراض کرنا بے بنیاد ہے۔ اگروہ خدا میں حکمت کی صفت کو بھی مانے تو ان کے بقول خدا حکمت کے ساتھ ان برائیوں کے وجود کی تطبیق دینا مشکل کام ہوگا حالانکہ ایسا نہیں ہے کیوں کہ ہماری زندگی میں ہمارے سامنے ایسی بہت سی مثالیں ہے جہاں ہم اپنی عقل کے کم تر ہونے کے احساس کا اعتراف کرتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ اس حقیقت کو ہم عقلی طور پر نہیں سمجھ سکتے یا اسکی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتے مثلا جب ہم ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں تو اسکی تشخیص پر اعتماد کرلیتے ہیں یہاں تک کہ اسکی بتائی ہوئی دوائیوں پر بھی بھروسہ کر کے علاج شروع کردیتے ہیں اسکے علم اور تجربے پر اعتماد کرتے ہوئے اور اس معاملے میں اپنے

علم اور تجربے کی کمی کا اعتراف کرتے ہوئے ہم اس سے کوئی دوسرا سوال نہیں پو چھتے ۔ اسی طرح کی بہت سے مثالیں ہے جو واضح کرتی ہے خدا کی حکمت کی بات کرنا دھریوں کے اعتراض کو گول کرنے والی بات نہیں بلکہ حقیقی طور خدا کیسا ہے اور اسکی کیا صفات ہے اور وہ صرف دو صفات میں محدود نہیں، ان سب چیزوں کو واضح کرتا ہے۔ اگر ہم اسکی حکمت کی گہرائیوں تک رسائی نہیں رکھتے تو اسکا مطلب یہ نہیں کہ اس چیز کا وجود ہی نہیں جیسے کہ ہم بہت سی بیماریوں کے بارے میں یہ نہیں جانتے کہ وہ کیسے پنپتی ہے یا کام کرتی ہے تو اسکا مطلب یہ نہیں کہ ہم انکا انکار کردے۔

قرآن میں ایسے ٹھوس واقعات بیان کیئے گئے ہے جو اس حکمت کے نظریئے کو اچھی طرح ذہن نشین کرواتے ہیں مثال کے طور پر موسی علیه السلام اور خضر علیه السلام کا قصہ، جس میں خضر علیه السلام نے کچھ ایسے کام کیئے جو بظاھر برے کام تھے اور موسی علیه السلام کو ان کاموں کے پیچھ موجود حکمت تک رسائی نہیں تھی، پھر قصے کے آخر میں ان حکمتوں کو بتایا گیا، چنانچہ قرآن میں قصہ کچھ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ:

پھر (موسی اور اسکا ساتھی) اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہی واپس لوٹے۔ پھر ہمارے بندوں میں سے ایک بندے (خضر) کو پایا جسے ہم نے اپنے ہاں سے رحمت دی تھی اور اسے ہم نے اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا۔
اسے موسٰی نے کہا کیا میں آپ کے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ آپ مجھے سکھائے اس میں سے جو آپ کو ہدایت کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔(خضر نے) کہا بے شک آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکینگے۔(موسی نے) کہا ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا ہی پائنگے اور میں کسی بات میں بھی آپ کی مخالفت نہیں کروں گا۔ کہا پس اگر آپ میرے ساتھ رہے تو مجھ سے کسی بات کا سوال نہ کریئے گا یہاں تک کہ میں خود آپ کے سامنے اس کا ذکر کروں۔ پس دونوں چلے، یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو (خضر نے) اسے پھاڑ دیا، (موسٰی نے) کہا کیا آپ نے اس لیے پھاڑا ہے کہ کشتی کے لوگوں کو غرق کر دے، البتہ آپ نے خطرناک کام کیا ہے ۔ کہا کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکینگے۔ کہا (موسی نے) میرے بھول جانے پر گرفت نہیں کریئے گا اور میرے معاملےمیں سختی نہ کریں۔ پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ انہیں ایک لڑکا ملا تو (خضر نے) اسے مار ڈالا، (موسٰی نے) کہا کہ آپ نے
ایک بے گناہ کو ناحق مار ڈالا، البتہ آپ نے برا کام کیا۔ کہا کیا میں نے آپ کو نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکینگے۔ کہا اگراس کے بعد میں

آپ سے کسی چیز کا سوال کروں تو مجھے ساتھ نہ رکھیں، آپ میری طرف سے عذر تک پہنچ جائیں گے۔ پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں پر گزرے تو ان سے کھانا مانگا انہوں نے مہمان نوازی سے انکار کردیا پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گرنے ہی والی تھی تب اسے سیدھا کر دیا، کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کوئی اجرت ہی لے لیتے۔ کہا اب میرے اورآپ کے درمیان جدائی ہے، اب میں آپ کو ان باتوں کا راز بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔ جو کشتی تھی سو وہ محتاج لوگوں کی تھی جو دریا میں مزدوری کرتے تھے پھر میں نے اس کو عیب زدہ کر دینا چاہا اور (یہ اس لیے کہ) ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا(سوائے عیب زدہ کشتیوں کے)۔ اور رہا لڑکا (سرکش تھا) سو اس کے ماں باپ ایمان دار تھے سو ہم ڈرے کہ انہیں بھی سرکشی اور کفر میں مبتلا نہ کرے۔ پھر ہم نے چاہا کہ ان کا رب اس کے بدلے میں انہیں ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر اور محبت میں اس سے بڑھ کر ہو۔ اور جو دیوار تھی سو وہ اس شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا، پس تیرے رب نے چاہا کہ وہ جوان ہو کر اپنا خزانہ تیرے رب کی مہربانی سے نکالیں، اور یہ کام میں نے اپنے ارادے سے نہیں کیا، یہ حقیقت ہے اس کی جس پر تو صبر نہیں کر سکا۔ ((سورۃ الکھف، آیت: 64-82

اس قصے سے پتہ چلا کہ انسان کو اپنی محدود سمجھ سے اللہ کی حکمتوں کا مقابلہ نہیں کرنا چاہئے، اس کے ساتھ ساتھ ہمیں کچھ اضافی فوائد جو اس قصے سے حاصل ہوئے وہ یہ ہے کہ خدا کی حکمت کو سمجھنے کے لیئے انسان کو عاجزی دکھانی پڑتی ہے موسی علیہ السلام ، خضر علیہ السلام کے پاس گئے اور وہ یہ جانتے تھے کہ انکو ایک ایسا علم دیا گیا ہے جو موسی علیہ السلام کو نہیں دیا گیا اور انہوں نے جاکر خضر سے کہا کہ مجھے بھی وہ علم سکھاو، باوجود اسکے کہ خضر نے انہیں تاکید کے ساتھ کہا کہ آپ صبر نہیں کر پائنگے موسی نے اصرار کیا اور صبر کرنے کی امید دلائی۔ (اسلام میں موسیی علیہ السلام کی شخصیت بہت برگزیدہ سمجھی جاتی ہے بلکہ اسلامی نصوص کے مطابق وہ ایک رسول اور پیغمبر تھے اسکے باوجود موسی علیہ السلام نے حصولِ علم کے لئے حدِ درجہ عاجزی کا مظاھرہ کیا)۔ دوسرا سبق جو ہمیں حاصل ہوا وہ یہ کہ برائی اور مصائب کا سامنا کرنے کے لیئے انسان کو اپنے جذبات اور ذھنی ٹینشن کے معاملے میں تحمل کا مظاھرہ کرنا پڑتا ہے۔ خضر جانتے تھے کہ وہ کچھ ایسے کام کرنے جارہے ہیں کہ جن کو دیکھ کر موسی علیہ السلام اچھا نہیں سمجھینگے اور سوال کر بیٹھینگے ۔ تاہم قصے کے آخر میں خضر نے ان تمام کاموں کے پیچھے پوشیدہ ربانی حکمت کو بیان کیا ۔ اس قصے سے یہ پتہ چلا کہ ہمیں دنیا میں آنے والی

پریشانیوں اور موجود برائیوں کا صبر و تحمل کے ساتھ سامنا کرنا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ہم ان چیزوں کے پیچھے موجودہ حکمت کا ادراک کرسکے۔

ان آیات کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ (جو کہ بہت بڑے عالم ، مورخ اور مفسر گزرے ہیں) فرماتے ہیں کہ: خضر ان لوگوں میں سے تھے کہ جنکو اللہ نے برائیوں اور آزمائشوں کے پیچھے پوشیدہ حکمت کا علم دیا اور یہ علم موسی علیہ السلام کو نہیں دیا گیا تھا،،، ، خضرِ علیہ السلام کے اس قول: کہ آپ صبر نہیں کرسکینگے ، کی تشریح میں امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ: (خضر کا مطلب یہ تھا کہ) آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکینگے جب آپ مجھے ایسے کام کرتے ہوئے دیکھینگے جو آپ کے اصولوں کے خلاف ہے کیونکہ مجھے اللہ نے وہ علم دیا ہے جو آپ کو نہیں دیا اور آپ کو وہ علم دیا ہے جو مجھے نہیں دیا۔

بلکہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں موجود ہے کہ موسی اور خضر علیهما السلام ایک کشتی میں بیٹھے ہوئے تھے ایک چڑیا آئی، اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی اور اس نے ایک چونچ یا دو چونچیں دریا میں ماریں، خضر علیہ السلام بولے کہ اے موسی میرے علم اور تمہارے علم نے اللہ کے علم سے اس چڑیا کی چونچ کی بقدر بھی کم نہیں کیا ہے (صحیح بخاری: 125) ۔
اسی لیئے امام ابن کثیر، خضر علیہ السلام کے اس قول: آپ کیسے صبر کرینگے اس بات پر کہ جسکا آپ کو علم ہی نہیں، یعنی آپ ظاھری طور پر دیکھ رہے ہیں جو آپ کو علم دیا گیا ہے اور آپ کو وہ بات نہیں پتہ جو مجھے پتہ ہے۔

اصل نقطہ یہ ہے کہ بظاھر جو دنیا میں برائی کا وجود ہے وہ صرف برائی کے طور پر نہیں ہے بلکہ اسکے پیچھے بھی کوئی نہ کوئی حکمت موجود ہے اور اس میں ایک مثبت پوشیدہ پہلوں بہر حال موجود ہے۔ کیونکہ اللہ کا حکمت والا ہونا اسکے اچھے، مہربان اور قدرت والے ہونے کے خلاف نہیں اسی لیئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جو کہ بہت بڑے عالمِ دین اور مفکر گذرے ہیں انہوں نے اس بات کا خلاصہ کیا ہے : اللہ تعالی نے جو بھی بری چیز بھی پیدا کی ہے اسکو محض برائی کے طور پر پیدا نہیں کیا بلکہ اس میں ایک اچھائی کا پہلوں بھی موجود ہے البتہ وہ بعض لوگوں کے حق میں بری چیز ثابت ہوسکتی ہے ۔ لیکن کسی چی کو صرف بطور برائی پیدا کیا ہو یا اس چیز میں صرف برائی ہی ہو، تو ان چیزوں سے اللہ تعالی پاک ہے۔

اسکی دلیل قرآن کی آیت بھی ہے جہاں اللہ تعالی نے ایمان والوں کو دعا کرے وقت یہ کلمات سکھائے کہ

یعنی کہ ہمارے رب تونے یہ (آسمان، زمین، کائنات) بے کار پیدا نہیں کیئے (آل عمران: 191)

لہذا جو بھی چیز کائنات میں موجود ہے اسکا ایک خاص مقصد ہے جو اسکے پیدا کرنے والے کو ہی معلوم ہے اور اسکے پیچھے ایک خاص حکمت ہوشیدہ ہے۔

اس کو ایک اور طریقے سے بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ خدا کی مشیئت (چاہت) دو قسم کی ہے:
کونیہ اور شرعیہ ۔۔۔ کونیہ وہ ہے کہ دنیا میں وہ چیزے بھی ہوتی ہے جنکو خدا پسند نہیں کرتا لیکن انکا وجود اور ظہور خدا کی اجازت سے ہی ہے۔ اور ملحدین کو غور کرنا چاہیئے کہ خدا نے اس چیز کہ وقوع کی بھی اجازت دی ہے جو اسکے نزدیک بھی سب سے زیادہ بری ہے اور وہ ہے اسکے ساتھ شرک کرنا، کسی کو اسکا بیٹا یا بیوی قرار دینا، نہ کہ صرف ظلم و ستم،، لیکن خدا ان چیزوں کو پسند نہیں کرتا لیکن انے وقوع کی اجازت کا تعلق انسان کے اس اختیار سے ہے جو اسکو نیکی اور برائی کے راستے کے درمیان ایک راستے چننے کے حوالے سے دیا گیا ہے۔

دوسری شرعیہ ہے اور شرعیہ وہ چاہت ہے کہ جسکو خدا پسند کرتا ہے لیکن اسکو زبردستی نافذ نہیں کیا بلکہ انسانوں کو اختیار دے دیا اگر وہ اسکے مطابق عمل کرنا چاہےتو انکو اسکا اچھا بدلہ ملے گا ورنہ سزا ملے گی، اور اس میں وہ چیزیں آتی ہے جنکو خدا نے کرنے کا حکم دیا یا جنکے کرنے سے منع کیا۔

کیا خدا نے ہمیں اس بات کی وجہ بتائی ہے کہ اس نے دنیا میں برائی کے وجود کی کیوں اجازت دی ہے؟

دھریوں کا دوسرے اعتراض:
* کہ خدا نے ہمیں دنیا میں ہونے والی برائیوں اور آنے والی پریشانیوں کے پیچھے کوئی وجہ نہیں بتائی*
کا جواب اس طرح دیا جائے گا کہ انکو وہ وجوہات بتائی جائے جو وجوہات خدا نے ہمیں بتائی ہے۔ اور ان میں سے چند وجواہت یہ ہے:

ہماری تخلیق کا مقصد خدا کی عبادت ہے:

انسان کی تخلیق کا بنیادی مقصد خوشیاں منانا یا دنیا کی آسائشوں سے لطف اندوز ہونا نہیں ہے بلکہ انسان کی پیدائش کا مقصد اللہ تعالی کو پہچاننا اور اسکی عبادت کرنا ہے، اور جب وہ اپنی زندگی کے اس بنیادی مقصد کو پورا کرلے گا تو اسکو ایک نہ ختم ہونے والی آسائیشوں اور خوشیوں کا سلسلہ جنت کی

صورت میں عطا کیا جائے گا، اللہ تعالی قرآن میں فرماتا ہے کہ: میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اور صرف اپنی عبادت کے لیئے پیدا کیا ہے۔ (سورۃ محمد: 56)

ذرا سوچیئے اگر کوئی ایسا شخص ہو جس نے زندگی میں کبھی کسی پریشانی کا سامنا نہ کیا ہو ، کیا وہ اپنی اس آرام دہ زندگی کی وجہ سے خدا کو نہیں بھولے گا؟ اور وہ اپنی زندگی کا مقصد پورا کرنے میں ناکام نہیں ہوگا؟ اسکے برعکس وہ شخص جس نے دنیا میں بہت سی مشکلات دیکھی ہواور وہ خدا کی ذات کی طرف رجوع کرے گا اور خدا کی بتائی ہوئی تعلیمات پر عمل کر کے وہ اپنے اس مقصد کو پورا کرلے گا جسکے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے، تو یہ شخص اس شخص سے بہتر ہے جس نے آسائیشوں میں رہ کر اپنے خدا کو بھلادیا، عام طور پر اگر دیکھا جائے جو لوگ دنیا میں کوئی انقلابی سرگرمی انجام دیتے ہیں وہ ابتداء میں لوئر کلاس یا مڈل کلاس ہوتے ہیں اور انہیں بہت سی مشکلات سے گذرنا پڑتا ہے جو انکے دل میں ایک احساس پیدا کرتا ہے کہ لوگوں کے لیئے کچھ آسانی کرنی چاہیئے، کیونکہ وہ خود ان مشکلات سے گذرا ہوتا ہے وہ اس احساس کو سمجھتا ہے اور یہ احساس اسے کسی انقلابی اقدام کی طرف لے جاتا ہے جو دنیا کہ لاکھوں انسانوں کو فائدہ دیتا ہے، اسکے برعکس امیر گھرانوں میں پلنے والے عام طور پر متکبر یا انسانیت کے احساس سے خالی ہوتے ہیں اسی لیے وہ زندگی میں صرف عیش و آرام کے علاوہ کوئی خاص سرگرمی انجام نہیں دے پاتے۔

زندگی ایک امتحان ہے:

خدا نے ہمیں دنیا میں امتحان کے لیئے بھیجا ہے، اور یہ امتحان جب ہی لیا جاسکتا ہے جب انسان کو کچھ مشکلات سے گذرنا پڑے، اور اس امتحان میں کامیابی اس دائمی جنت کے حصول کی ضمانت ہے جس میں کوئی غم اور پریشانی نہں ہوگی بلکہ مکمل سکون ہوگا۔ دراصل کوئی بھی خدا کا انکار کرنے والا دنیا میں آنے کے انسان کے مقصد کو نہیں سمجھا
لہذا اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ دنیا ایک دارالامتحان ہے، جہاں انسان کو آزمایا جاتا ہے اور اگر انسان کو آزمایا نہیں جائے تو انسان کیسے صبر والا بنے گا اگر اسکو مشکلات کا سامنا ہی نہ ہو، وہ کیسے حوصلہ مند بنے گا اگر اسکو خطرات کا سامنا نہ ہو وہ کیسے ہمدرد بنے گا اگر اسکے اندر کسی تکلیف سے گذرنے کی مشکل کا احساس نہ ہو۔ ہمیں اپنی روحانی اور اخلاقی تربیت اور مضبوطی کے لیئے ان تمام آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ، دنیا میں ہم عیش و آرام کے لیئے نہیں آئے بلکہ اصل مقصد امتحان میں کامیاب ہوکر آخری آرام گاہ یعنی جنت میں داخل ہونا ہے۔ جس طرح ایک اسکول میں بچے کو کئی سال محنت کر کے بچپن سے ہی صبح کی نیندیں خراب کر کے ، بستے اور کتابوں کا بوجھ اٹھا کر مستقل

تعلیم کے حصول کے لیئے کئی برسوں تک اسکول جانا پڑتا ہے تاکہ اسکی شخصیت سنور جائے ، اسکو معاشرے کا علم ہو، اسکو معاش کمانے میں مشکلات نہ آئے، خلاصہ یہ کہ بچپن سے لادی جانے والی ان پابندیوں کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ انسان اسکے بعد ایک پرسکون زندگی گذار سکے۔

لیکن زندگی ایک امتحان کیوں ہے؟ کیونکہ خدا ایک مہربان ذات ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اسکے تمام بندے اس پر ایمان رکھے اور اسکے نتیجے میں انہیں دائمی نعمتوں کا حصول ہو، اس نے اپنے بندوں کے لیئے ایمان لانے کو ترجیح دی ہے اور اس نے یہ واضح کردیا ہے کہ وہ اس بات کو قبول نہیں کرے گا کہ کوئی اس پر ایمان نہیں لائے۔

چناچہ اس سے معلوم ہوا کہ خدا نہیں چاہتا کہ کوئی بھی جھنم میں جائے لیکن سب کو جنت میں ڈال دیا جائے تو یہ بھی عدل و انصاف کے خلاف ہوگا کیونکہ خدا اگر موسی اور فرعون یا ہٹلر اور عیسی (علیہ السلام) کے ساتھ ایک ہی معاملہ کرے تو یہ عدل کے منافی ہوگا ۔ کیونکہ ایک شخص جس نے ساری زندگی ظلم کیا، برائی کے کام کئے اور ایک شخص جس نے ساری زندگی اپنے مالک کی بات مانی ، کسی قسم کے ظلم سے بھی بچنے کی کوشش کرتا رہا اگر آخر میں دونوں کو ہی جنت میں ڈالدیا جائے تو کیا یہ عدل ہوگا؟ کیونکہ جب آخر میں دونوں کو ایک ہی بدلا دیا جانا تھا تو دنیا میں حق اور باطل کے درمیان کسی ایک کو اپنانے کے اختیار کا کوئی مطلب نہیں رہتا اور دنیا کےسب سے برے انسان اور سب سے اچھے انسان میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔
اس لحاظ سے اسلام آپ کو ذھنی طور پر مضبوط بناتا ہے کیونکہ وہ دنیا میں موجود برائیوں ، مصیبتوں ، درد اور غم کو امتحان بتاتا ہے اور آپ کو ذھنی طور پر ایک مبنی بر حقیقت تسلی دیتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میں نہ صرف مصیبتیں ہے اور نہ ہی امتحان کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہر وقت پریشانیوں میں مبتلا رہے اور کسی بھی نعمت یا آسائش کا مزہ نہ لیں لیکن ہماری پیدائش کا بنیادی مقصد عبادت ہی ہے، بلکہ اسلام تو آزمائشوں کو خدا کی محبت کی علامت بتاتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : اللہ جب اپنے بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے آزماتا ہے (ترمذی)۔
خدا کا اپنے پسندیدہ بندوں کو آزمانے کی وجہ یہ ہے کہ خدا انکے درجات بلند کرنا چاہتا ہے ، کیونکہ جنت کا حصول اللہ تعالی کی محبت اور رحمت کے بغیر ممکن نہیں اور جتنا انسان آزمائشوں میں کامیاب ہوگا اتنا زیادہ ہی وہ ان چیزوں کا مستحق بنے گا، اللہ تعالی قرآن میں فرماتا ہے:

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بےفائدہ پیدا کیا ہے اور یہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے
(سورۃ المومنون 116)

تاہم ایک بہترین چیز جو اسلامی تصور میں موجود ہے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ وہ کسی نفس پر اسکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا (البقرۃ 286) لہذا ہمیں اپنی پوری کوشش کرنے چاہئے آزمائشوں سے نمٹنے کی اس لئے اگر کسی شخص پر ایسی کوئی آزمائش آجائے جو اسکی طاقت سے زیادہ ہے تو اس پر اسکی پکڑ نہیں ہوگی مثلا اللہ نے قرآن میں سب سے زیادہ اگر کسی سے ڈرایا ہے تو وہ کفر کرنے سے ڈرایا ہے ، لیکن ایک جگہ فرمایا:
جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ایمان لانے کے بعد ، مگر وہ شخص جس کو مجبور کردیا جائے اور اسکا دل ایمان پر مطمئین ہو (النحل 106) اب اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کسی کو کفر کرنے پر مجبور کردیا جائے لیکن اسکا دل ایمان پر ہی مطمئین ہو تو اسکو اللہ کے ہاں معافی ہے۔۔۔ اسی طرح بحالتِ مجبوری سوئر کا گوشت کھانے کی بھی اجازت اسلام میں موجود ہے اگر کوئی مرنے والا ہو اور اسکے پاس کچھ کھانے کے لیئے موجو د نہ ہو حالانکہ سوئر کو ناپاک قرار دیا گیا ہے عام صور تِ حال میں (البقرۃ 173)،،، اسی طرح ایک جگہ فرمایا کہ: اللہ کو بری بات اونچی آواز کے ساتھ پسند نہیں مگر جس پر ظلم کیا جائے(النساء 148) یعنی اگر کوئی ظلم سے تنگ آکر غصے میں کچھ کہہ جائے تو اس پر پکڑ نہیں۔

اسی طرح حاملہ عورت کو اسلام میں سزا دینے سے منع کیا گیا ہے جب تک وہ بچہ نہ جن لے یا پھر ایسا کوئی بیمار شخص کہ اگر اسکو سزا دی جائے تو وہ مر سکتا ہے تو اسکو بھی سزا دینے سے منع کیا گیا ہے ، اس حوالے سے کتبِ احادیث اور کتبِ فقہ میں تفصیلات مل جائے گی۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں دی جسکتی ہے۔

خدا کو جاننا:

خدا کی معرفت بھی اسلام میں ایک انہتائی اہم چیز اور بہت بڑی نیکی سمجھ جاتی ہے، اور ظاھر ہے جب تک انسان اپنے پیدا کرنے والے کو جانے گا نہیں تو اسے اسکی عظمت کا اندازہ کیسے ہوگا اور وہ اس سے کیسے محبت کرے گا۔ جب انسان بیمار ہوتا ہے یا کسی مشکل میں پڑتا ہے تو انسان کو اپنے شفا دینے والے یا بچانے والے کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالی کے بہت سے نام اور

صفات ہے اور یہ انسان کو جب ہی پتہ چلتے ہیں جب انسان کو مختلف مراحل میں خدا کی ضرور پڑتی ہے مثلا : شفا دینے والا یا حفاظت کرنے والا، ان ناموں اور صفات کا جب پتہ چلتا ہے جب انسان بیمار ہوتا ہے یا کسی مشکل اور خطرے سے گذرتا ہے۔

اچھائی کے وجود کا احساس اور قدر:

اگر اندھیرا نہ ہوتا تو روشنی کی قدر نہیں پتہ چلتی، اگر پیاس نہیں لگتی تو پانی کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا، اگر سردی کا وجود نہیں ہوتا تو سورج کی تپش کی قدر و قیمت کا کون اندازہ کرسکتا تھا، اسی طرح اگر مشکلات نہ ہوتی تو نعمتوں کی قدر کیسے ہوتی؟ برائی نہ ہوتی تو اچھائی کی اہمیت کیسے پتہ چلتی،،،، یہ کیسے پتہ چلتا کہ اللہ نے ہم پر کتنا احسان کیا ہے اور کس قدر ہمیں بہت سے لوگوں سے بہتر بنایا ہے اور ان بہت سے لوگوں کو بھی بہت سے لوگوں سے بہتر بنایا ہے، الغرض کہ اچھائی کی قدر بھی جب تک نہیں ہوتی جب تک برائی کا ایک خاکہ انسان کی نظروں کے سامنے نہ ہو۔

آزادی اور حریت:

اللہ نے انسان کو آزادی دی ہے اس معاملے میں کہ وہ جو چاہے کرے، جس راستے کو چاہے اپنائے اور جس طریقے پر چلنا چاہے چلے، وہ اچھا ہو یا برا ، بہترین ہو یا بدترین، اللہ تعالی نے بس اسے بتادیا ہے کہ یہ اچھا راستہ اختیار کروگے تو انعامات کا لا محدود سلسلہ ہوگا اور اگر برائی کا راستہ اختیار کروگے تو شدید سزا سے دو چار کیا جائےگا، اب اگر انسان اپنے اختیار سے برا راستہ اختیار کر کے کسی کا مال لوٹے، عزت لوٹے، قتل کرے تو اس میں خدا کی کوئی غلطی نہیں کیونکہ خدا نے ایک محدود وقت کے لیئے سب کو اختیار دیا ہوا ہے لیکن ساتھ ساتھ اچھائی برائی کا فرق اور اس سے حاصل ہونے والے نتائج اور اثرات کو بھی کھول کھول کر بتادیا ہے۔ دنیا کہ تمام کمرہ امتحانات میں ایسای ہی ہوتا ہے کہی بھی استاد ہر بچے کے پاس کھڑے ہوکر اسکو پیپر میں غلط جواب لکھنے سے نہیں روکتا البتہ اسکو یہ بتادیا جاتا ہے کہ آپ نے غلط جواب لکھا تو آپ فیل ہوجائنگے۔

اب کوئی یہ سوال کرسکتا ہے کہ خدا نے اس طرح کی آزادی کیوں دی؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اگر اس طرح کی آزادی نہ دی جاتی تو کیسے پتہ چلتا کہ نیک

کون ہے اور سرکش کون کیونکہ جو اپنی مرضی سے برائی کا انتخاب کر رہا ہے وہ سرکش ہے اور جو نیکی کو اپنارہا ہے وہ نیک ہے اور دل سے اچھے کام کر رہا ہے۔ ذرا اس مثال پر غور کریئے اگر کہی غریب اور معذور بچوں کی امداد کرنی ہے لیکن یہ امداد سر پر بندوق رکھ کر حاصل کی جارہی ہے تو کیا کبھی پتہ چل سکے گا کہ کون دل سے دینا چاہتا تھا اور کون نہیں؟ کون مخلص تھا اور کون نہیں، کیونکہ سب کے سر پر بندوق رکھ کہ امداد لی گئی ہے۔ اسی طرح خدا سب کو زبردستی پابند کدیتا نیکی کے کام کرنے پر اور یہ اختیار نہ دیا جاتا تو اچھائی اور برائی کا کوئی فرق ہی نہیں رہے گا کیونکہ برائی تو کی ہی جب جاتی ہے جب اختیار دیا جائے ورنہ سب کو ہی نیکی کا پابند بنادیا جاتا تو کون برا ہے اور کون اچھا کبھی نہیں پتا چلتا۔

دنیا سے بے رغبتی اور بیزاری:

اسلامی نظریات کے مطابق ، اللہ نے ہمیں اہنی عبادت کے لیئے پیدا کیا ہے اور اس لیئے کہ ہم اسکی قربت حاصل کریے جسکا ایک لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہم اس عارضی دنیا سے بے رغبتی رکھے جو کہ فتنوں، پریشانیوں اور مشکلات سے بھری پڑی ہے اور اس فانی دنیا کہ پیچھے اپنے مالک کی نامفرامنی کر کے اس دائمی نعمت سے اپنے آپ کو محروم نہ ہونے دے جسکو جنت کہا جاتا ہے۔ اور اسی دنیا میں رہنے والے برے افراد پر غور کای جائے تو اس سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ انکے رہتے ہوئے کبھی بھی دنیا میں سکون نہیں ہوسکتا کینوکہ خدا نے سب کو اختیار دیا ہے اور اس اختیار کا غلط استعمال کر کے ان برائی کے مرتکب لوگوں نے دنیا کا سکون تباہ و برباد کردیا اور اس بات کو ثابت کردیا کہ یقینا اچھے لوگوں کے لیئے ایک الگ مستقل جگہ کا ہونا ضروری ہے جہاں وہ ہمیشہ خوش و خرم رہے اور اس جگہ کو جنت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

قرآن نے کئی مقاما ت پر دنیا کی حقیقت کو واضح کیا ہے، مثلا سورۃ الحدید آیت 20 میں فرمایا:
" جان لو کہ دنیا کی زندگی ایک کھیل اور دل لگی ،ظاہری ٹپ ٹاپ ،اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا ،اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جا نے کی کوشش کرنا ہے ۔اسکی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک بارش ہو گئی تو اس سے بیدار ہونیوالی نباتات کو دیکھ کر کاشت کار خوش ہو گئے ۔پھر کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہو گئی پھر وہ بھوسہ بن کر رہ جاتی ہے اس کے

برعکس آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت و خوشنودی ہے ۔دنیا کی زندگی ایک دھوکے کی شی کے سوا کچھ نہیں۔"

لیکن اسکا مطلب یہ نہیں کہ دنیاوی زندگی کہ اس منفی پہلوں کو سامنے رکھتے ہوئے خدا کی کمال قدرت سے وجود میں آنے والی اس عظیم اور خوبصورت دنیا کو بے کار سمجھ لیا جائے کیونکہ اس میں اللہ کے وجود ، اور اس کی لا محدود قدرت پر دلالت کرنے والی بے شمار نشانیاں موجود ہے بلکہ خوشی اور غم کو اگر اس نظرئے سے دیکھا جائے کہ دنیا میں آنے والی خوشیاں جنت میں آنے والی خوشیوں کا ایک ٹریلر یا جھلک ہے اسی طرح دنیا میں آنے والی تکلیفیں جہنم میں آنے والی تکلیفوں کی ایک جھلک اور ٹریلر ہے تاکہ انسان اس بات کا اندازہ کرلے کہ میں جب یہاں یہ چ ھوٹی تکلیف برداشت نہیں کرسکتا تو میں آخرت کا دائمی اور ہزاروں لاکھوں گناہ زیادہ دردناک عذاب کیسے برداشت کرونگا۔
بعض احادیث میں بھی اس طرف اشارہ موجود ہے، آگے ذکر ہوگا۔

مشکلات سے گذرنا بھی عارضی ہے:

یہ کہا جاسکتا ہے کہ بھلے ہی دنیا میں اکثریت لوگوں کی ایسی ہے کہ جنکی زندگی خوشی اور غم دونوں طرح کے لمحات سے مرکب ہے لیکن اس کے باوجود ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں کہ جنھوں نے اپنی زندگی میں پریشانیوں کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا، ایسے لوگوں کے بارے میں ہم کہینگے کہ اسلام نے نہ صرف مشکلات کی وجوہات بتائی ہے بلکہ ان مشکلات سے دو چار ہونے والے لوگوں کو آخرت میں میں ان مشکلات کے بدلے میں انعامات اور مغفرت کی یقین دھیانی کروائی ہے، اور وہ اس قدر خوبصورت نعمتیں ہونگی کہ انکی ایک جھلک ہی انسان کو زندگی بھر میں پیش آنے والی تمام مشکلات بھلادینگیِ ،
چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
قیامت کے دن اس شخص کو لایا جائے گا دنیا میں جس شخص پر سب سے زیادہ مشکلات آئی ہونگی ، اسے ایک نظارہ جن کا کروایا جائے گا اور اس کے بعد اس سے پوچھا جائے گا: اے آدم کے بیٹے، کیا تم نے کبھی کوئی پریشانی دیکھی ہے؟، وہ کہے گا: نہیں، میرے خدا ، میں نے کبھی کوئی پریسانی نہیں دیکھی، کوئی غم نہیں دیکھا۔
(صحیح مسلم)۔

روحانی نقطہ نظر:

دھریوں کے نزدیک برائی کے وجود کا کوئی سبب نہیں یا اسکے پیچھے کوئی حکمت اور وجہ نہیں۔ بلکہ برائی ایک ایسی اندھی طاقت ہے جو اپنا شکار خود چنتی ہے، جو لوگ اسکا شکار بنتے ہیں انکے پاس اسکی کوئی وضاحت نہیں، کوئی وجہ نہیں کوئی پسِ منظر نہیں، وہ بس یہ سمجھتے ہیں کہ سب کچھ دنیا میں ہورہا ہے اور جو ان چیزوں کا شکار ہورہے ہیں انکے لیئے انصاف کی کوئی نوید نہیں اور نہ ہی اس دنیا میں کسی کے ان تکالیف کے شکار ہونے کا کوئی مقصد ہے اور نہ کبھی ان تکالیف پر صبر کرنے کا ہی کوئی انعام ملے گا۔ بلکہ برائی اور اچھائی کا لفظ ہی مشکوک بن کر رہ جاتا ہے کیوں کہ یہ احساس کرنا کہ کسی کو ہمارے کسی عمل سے تکلیف نہ ہو، اس احساس کی بھی کوئی بنیاد نہیں رہتی کیونکہ انسان کی زندگی کا مقصد صرف عیش و آرام ہے تو اسکو حاصل کرنے کے لیئے اگر کوئی کسی دوسرے کو نقصان پہنچاتا ہے تو اسکو برا کیوں سمجھا جائے؟ وہ تو دراصل اپنے ہی مقصد کو حاصل کر رہا ہے یعنی کہ آسائشوں سے بھر پور زندگی۔

اسکے برعکس اسلام انسان کو یہ امید دلاتا ہے اور یہ تسلی دیتا ہے کہ یقینا یہ قربانیاں ضائعہ نہیں جائے گی بلکہ انکے بدلے میں پہلے تو انسان کی غطیاں اور گناہ معاف کردیئے جائنگے دوسرا یہ کہ انسان کو جنت میں داخلہ مل جائےگا، اور یہ ایک ایسی معقول تسلی اور وضاحت ہے کہ جو انسان میں انتہائی درجے کا صبر اور تحمل پیدا کردیتی ہے۔

مثلا اگر کسی کے ہاں کوئی اولاد نہ ہو اور اگر کوئی بچہ ہوا بھی ہو تو فوت ہوگیا ہو، تو اسکو صبر دلانے کے لیئے ان دھریوں کے پاس کوئی معقول وضاحت نہیں بلکہ سرے سے کوئی وضاحت ہی نہیں جبکہ اسلام ایسے لوگوں کو خوشخبری دیتا ہے کہ یہ صبر انکے لیئے بہت بڑاے انعام کا سبب بنے گا۔۔ یہاں تک کہ قدرتی آفات مثلا سیلاب میں مرنے والے لوگوں کے بارے میں بھی یہ تسلی اسلام دیتا ہے کہ انکے گناہ معاف کردیئے جائنگے اور اس نے اپنی غلطیوں کا خمیازہ یہی بھگت لیا چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ: میری امت ، رحم کی گئی ہے، اس پر آخرت میں عذاب نہیں ہوگا، اسکا جو عذاب ہے وہ دنیا میں ہی ہوگا قتل، فتنے زلزلوں کی صورت میں (ابوداود: 4278) بلکہ بعض صورتوں میں تو اس طرح کی آفات سے مرنے والے کو شہید تک قرار دیا گی اہے مثلا ڈوب کر مرنے والے کو شہید قرار دیا گیاہے (ابوداود 3111)۔

اگر یہ غور کیا جائے کہ برائی کے وجود کا جو یہ اعتراض کیا گیا ہے برائی کے وجود کا تو دراصل برائی اور اچھائی میں فرق بتانے والی اور اس تصور کی بنیاد رکھنے والی چیز بھی مذہب ہی ہے کیونکہ دھریوں کے مطابق تو انسان خود بخود پیدا ہوگیا اور سب کچھ وقت کی اور ماحوایاتی تبدیلی کے ساتھ ساتھ بدلتا رہاں یہاں تک انسان نامی چیز نمودار ہونا شروع ہوگئی تو اس سب میں برا کیا اور اچھا کیا، برائی کو بھی ماحولیاتی تبدیلی یا دیگر تبدیلیوں کی طرح ایک تبدیلی کے عمل کے مکمل ہونے کے بعد سامنے آنے والی تمام چیزوں کی طرح ماحول کا حصہ مان لیا ہے، تو پھر اس پر سزائے کیوں مقرر کی جاتی ہے؟ ایسے لوگوں کو کیوں قابلِ مذمت ٹھہرایاجاتا ہے کیونکہ ملحدین کے فلسفے کے مطابق تو انسان جیسے بندر سے انسان بنا ہے ، اسی طرح وہ اچھا یا برا انسان بنا ہے، لیکن جیسے کہ اسکے انسان بننے پر کسی کو اعتراض نہیں تو پھر اسکے اچھے یا برے انسان بننے پر اعتراض کس بنیاد پر؟

۔ کیونکہ ملحدین کے نزدیک سائنس ہی سب کچھ ہے اور اخلاقی اقدار کی کوئی اہمیت نہیں اس لیئے سائنس کے کسی بھی اصول سے برائی کو برائی ثابت نہیں کیا جاسکتا ۔۔

اور ملحدین کے پاس اگر کوئی دوسرا معیار ہے تو وہ پیش کرے، بلکہ سائنس بھی انکا اپنا ترازوں نہیں کیونکہ سائنس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے والے سائنسدان بھی خدا کے وجود کے منکر نہیں تھے، مسلمان سائینسدانوں کا صدیوں پر محیط دور اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے بلکہ ماضی قریب کے نامور سائنسدان مثلا آئینسٹائن جیسے لوگ بھی خدا کے وجود پر ایمان رکھتے تھے۔

ملحد اگر یہ کہے کہ: لیکن جب میں کسی برائی کو دیکھتا ہوں غصہ آتا ہے، جب کسی کے ساتھ ظلم ہوتا دیکھتا ہوں افسوس ہوتا ہے، رونا آتا ہے، تو ہمارا سوال اس ملحد سے یہ ہوگا کہ غلط کام کو دیکھ کر آنے والا یہ غصہ ، کسی مظلوم کو دیکھ کر ہونے والا یہ افسوس انسان کی طبیعت میں کس نے رکھا؟ کیوں کسی کی وفات پر ہنسی نہیں آتی یا کسی لطیفے پر رونا نہیں آتا؟ یہ سب اس قدر منظم طریقے کس نے آپ کی طبیعت میں رکھا ہے؟ اسلام تو کہتا کہ خدا نے انسان کو فطرت پر پیدا کیا ہے اور یہ انسان کی فطرت ہے کہ غلط کام دیکھ کر اسے غصہ آتا ہے اور اس کام کو روکنے کا دل چاہتا ہے، اچھے کام کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے اور دل چاہتا ہے کہ یہ سب جاری رہے۔ اسی لیئے اسلام میں جن چیزوں کو حرام کیا گی اہے ان میں سے اکثریت کا تعلق ان چیزوں سے ہے جن سے کسی بھی سلیم الفطرت شخص کو نفرت ہوگی مثلاً شور، زنا، رشوت، نشہ، قتل ، کسی کا حق مارنا وغیرہ، لیکن کچھ چیزے ایسی ہے کہ جنکے نقصان کا ادراک انسانی عقل کے بس کی بات نہیں اور اس کے پیچھے پوشیدہ حکم تک عقلِ انسانی کی رسائی نہیں۔

اس لئے ملحدین سے میں یہ کہونگا کہ برائی کا لفظ استعمال کر کے جو تم خدا پر اعتراض کر رہے ہو دراصل برائی کی معرفت اور برائی سے تمھاری طبیعت میں نفرت بھی خدا نے ہی رکھی ہے ورنہ تو ملحدین برائی کو برائی ثابت ہی نہیں کرسکتے۔

مثلا اگر کوئی چوری کرتا ہے تو بھلے ہی جس کے گھر چوری ہوئی ہے اسکو تو نقصان ہوگا لیکن جس نے چوری کی ہے اسکو کیا نقصان ہوگا بلکہ اسکو تو فائدہ ہی ہوگا تو کم از کم اسکے حق میں تو وہ برائی نہیں، اور پھر کس سائنس کے فارمولے سے یہ بات ثابت کی جائے گی کہ اگر کسی نے چوری کر بھی لی تو وہ سزا کا مستحق ہے؟ اسی لیئے آپ دیکھے دنیا میں ہمیشہ خدا کو ماننے والوں کی تعداد زیادہ ہی رہی ہے اور دنیا میں جتنی حکومتیں گذری ہے سب کے حکمران اور بادشاہ خدا کو ماننے والے تھے۔

اگر خدا اپنے پیغمبروں کو بھیج کر انسانوں کو ان سب چیزوں کی آگاہی نہیں دیتا تو دنیا میں کوئی نظام ہی قائم نہیں ہوتا، برائی کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہوتی۔ کیونکہ جو چوری کر رہا ہے، زنا کر رہاے ہے اسکو تو ان کاموں کا فائدہ ہی ہورہا ہے لیکن اسکے باوجود ان سب چیزوں کو برا سمجھا جاتا ہے ، کیوں؟ کیونکہ ان سے کسی کو نقصان بھی ہورہا ہے اور وہ لوگ ہے جو ان چیزوں کا شکار بنتے ہیں۔ اسکے بعد یہ سوال بھی کھڑا ہوتا ہے کہ اگر کوئی کسی کہ گھر چوری بھی کر رہا ہے تو کسی کو انکے معاملے میں دخل اندازی کرنے کی کیا ضرورت ہے، ریاست اسکو کس حق سے سزا دیتی ہے؟ یہ انکا آپسی معاملہ ہے، کہہ کر کیوں نہیں چھوڑدیا جاتا؟ کیونکہ سب کو پت ہے ایسے تو دنیا کا کوئی نظام ہی نہیں چلے گا، اسی طرح ملحدین اسلام میں حرام قرادر دی گئی چیزوں پر اعتراض کرتے ہیں وہ اسی نوعیت کا اعتراض ہے، جس طرح چور کو اپنی چوری بری نہیں کونکہ اسے تو اس میں مزہ آرہا ہوتا ہے اسی طرح مغرب زدہ ملحدین نے اسلام پر جو اعتراضات کیئے وہ دراصل انکی آسائشوں پر ایک ضربِ کاری ہے اور انسان کو انسان کی طرح رہنے کے لیئے اصول سکھائے گئے ہے۔

یہ سوال بھی کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالی کو نے انسان کوآزمایا ہی کیوں؟ تو اسکا جواب وہی ہے جو ہم پہلی باتوں کا دے چکے ہیں کہ اخدٰا نے ان برائیوں کے وجود کی اجازت کیوں دی۔

اس سب کے باوجود اگر کوئی ملحد مطمئین نہ ہو تو اس کے باوجود یہ نہیں کہا جاکستا کہ خدا کا وجود ہی نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکے گا کہ خدا اتنا مہربان نہی (نعوذ باللہ) جبکہ اس اعتراض کا بھی جواب دیا جاچکا ہے۔

کیونکہ خدا کے وجود کے دلائل اتنے زیادہ ہے کہ صرف دنیا میں بعائی کے وجود کو بنیاد بنا کر سرے سے خدا کے وجود کا ہی انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالی سب کو ھدایت دے۔